مذہب اور ریاست کے تعلق کے عصری مباحث: قرآن حکیم کی روشنی میں تجزیہ

Contemporary Debates on the Relationship between Religion and State: An Analysis in the Light of the Holy Qur'an

Dr. Azhar Maqsood Cheema, ** Dr. Hafiz Sanaullah, *** Dr. Fayyaz Tayab

** Subject Specialist, Punjab Workers Welfare Fund, Lahore.*
***Assistant Professor, Govt. Graduate College Daska, Daska.*
**** SST Teacher, Govt. High School Daska, Daska.*

KEYWORDS

Divine sovereignty (hakimiyyah), Islamic political theory, Qur'anic perspective, Religion and state; Religion-state relationship, Shura (consultative governance)

ABSTRACT

The relationship between religion and state constitutes a foundational concern in political theory, manifesting diversely across historical and cultural contexts and gaining heightened salience in contemporary scholarship amid competing paradigms of secularism, theocracy, and religious democracy. This study undertakes a systematic, textually grounded analysis of these ongoing debates through the hermeneutical framework of the Holy Qur'an. By critically engaging the political theorizations of classical scholars such as Al-Mawardi and Ibn Khaldun alongside modern intellectuals including Allama Muhammad Iqbal and Maulana Abul Ala Maududi, the research evaluates their conceptualizations in light of pertinent Qur'anic injunctions and the authenticated Prophetic tradition (Sunnah). Findings affirm that Islamic ontology precludes a rigid dichotomy between religion and state, positing instead the absolute sovereignty of Allah (hakimiyyah) while configuring the state as a normative instrument for realizing Shariah-derived imperatives of justice ('adl), equity, consultative governance (shura), and collective welfare (maslaha). Anchoring its argumentation in the paradigmatic Prophetic polity established in Medina, the paper rigorously contests orientalist bifurcations exemplified in the works of W. Montgomery Watt and Arnold J. Toynbee that artificially segregate the Prophet Muhammad's (ﷺ) mission into discrete spiritual and political phases. Complementing this critique, an exegetical and historical examination of Qur'anically attested prophetic governance models (notably those associated with Prophets Yusuf, Musa, Yusha, and Talut, peace be upon them) elucidates the indispensable integration of sacred and temporal authority within the Islamic political imaginary. The study concludes by advancing a Qur'anically derived normative framework for contemporary Muslim polities, one that prioritizes justice, inclusivity, and public welfare through contextual ijtihad and institutional reform.

تعارف

عصر مذہب اور ریاست کے تعلق پر ہمیشہ سے علمی اور فکری بحث جاری رہی ہے۔ عصرِ حاضر میں سیکولرازم، اسلامی ریاست، اور مذہبی وسیاسی جمہوریت جیسے موضوعات پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں اس تعلق کے مختلف پہلوؤں پر رہنمائی موجود ہے، اور مسلم سیاسی مفکرین نے بھی اس

*Corresponding Author: *Dr. Azhar Maqsood Cheema*
Email Address: azharmaqsoodcheema@gmail.com

موضوع پر اپنی آراء پیش کی ہیں جو اس بحث کے فکری اور عملی نکات کو واضح کرتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی پر بحث ہو یا آپ کے نظامِ سیاست پر بات کی جائے لوگوں کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ تو رسولِ خدا اور انسانیت کے روحانی پیشوا ہیں۔ آپ تو عبادت اور تعلق باللہ کے داعی ہیں۔ آپ ﷺ سے ماقبل جو رسول دنیا میں تشریف لائے، وہ بھی بالعموم اسی منصب پر فائز تھے۔ ریاستی معاملات اور سیاست سے ان کا کیا تعلق ہے اور ان کی سیاسی زندگی کا مطلب کیا ہے؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور کی مذہبی ریاستوں میں سیاست کی جو عمومی شکل وصورت ہمارے سامنے موجود ہے وہ اخلاقیات کے مسلمہ ضابطوں کی عکاسی کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ وہ ظلم وزیادتی، جھوٹ، فریب، دھوکا دہی ،اقرباپروری، عدم مساوات اور عہد شکنی جیسی قبیح خرافات سے مبرا نہیں ہیں۔ اس میں بدعنوانی، انسانی تکریم کا فقدان اور حقوق کا استحصال بھی شامل ہے۔ اس سیاسی اقتدار (انتخابی ہو یا آمرانہ) میں جو لوگ شامل ہیں ان کے بارے میں لوگوں کی رائے اچھی نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی سیاست کا قرآن وسنت کی تعلیمات سے تعلق کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اس نوعیت یا اس سے ملتے جلتے متعدد سوالات کئی علمی وفکری اجتماعات اور مباحثوں میں شرکاء کی جانب سے اکثر وبیشتر اٹھائے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم اس بابت ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے، اسی بنیادی سوال کا دلائل کی روشنی میں ممکنہ حل تلاش کرنا ان سطور کا ہدف ہے۔ نظام ریاست چلانے میں مرکزی کردار چونکہ سیاسی مہرے ادا کرتے ہیں اس لئے بات سیاست سے ہی شروع کرتے ہیں۔

سیاست عربی زبان کی ایک اصطلاح ہے، جس کے معنی اصلاحِ ذات، اصلاحِ معاشرہ اور اصلاحِ حکومت کے ہیں۔

اَلْقِيَامُ عَلَى الشَّيْءِ بِمَا يُصْلِحُهٗ (الزبیدی، ۱۹۹۴ء، ج ۱۶، ص ۱۵۷)

سیاست کا مطلب ایسی تدبیر کرنا ہے جس سے کسی چیز کو استحکام مل جائے، اس کی اصلاح ہو جائے اور وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو جائے۔ معروف معنی میں سیاست کا مفہوم ملک اور عوام کی اصلاح ہے

رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا میں دو بڑے نظریے رائج تھے جنہیں مذہبی تائید حاصل تھی۔ ایک یہ کہ روحانیت کے متمنی رہبانیت اختیار کریں۔ دوسرا اگر آپ سیاست کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ملوکیت کی طرف دیکھیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف یہ جملہ منسوب ہے کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو"۔ یعنی خدا کے حقوق الگ تھے اور قیصر کے حقوق الگ تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ یہ تفریق مٹ گئی اور آپ ﷺ نے دنیا کو ایک نظریۂ حکومت دیا۔ جس میں بنیادی تعلیم یہ تھی کہ انسان زمین کا مالک نہیں بلکہ امین ہے۔ کوئی چیز انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا مالک اللہ رب العزت ہے۔ انسان اس کا امانت دار ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ اور حاکمیت مطلقہ صرف اللہ کے لیے ہے، باقی سارے انسان اس کے بندے اور غلام ہیں۔ آپؐ نے اللہ کا یہ پیغام انسانوں تک پہنچایا۔

وَهُوَ ٱلَّذِي فِي ٱلسَّمَآءِ إِلَٰهٌ وَفِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَٰهٌۚ وَهُوَ ٱلۡحَكِيمُ ٱلۡعَلِيمُ (الزخرف، ۴۳:۸۴)

اور وہی (ایک) آسمانوں میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔ اور وہ دانا (اور) علم والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو حکومت سازی کا یہ نظریہ دیا۔

أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ (الأعراف، ٧:٥٤)

جس نے پیدا کیا ہے، اس کی مخلوق پر حکم اسی کا چلے گا۔ بابرکت ہے اللہ تمام جہانوں کا ربّ۔

اس اساسی تعلق کی بابت اسلامی تعلیمات میں مذہب اور ریاست کو جداگانہ حیثیت نہیں دی گئی بلکہ ریاست کا مقصد دینِ اسلام کے اصولوں کے مطابق ایک فلاحی اور عادلانہ نظام کا قیام ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف، ۱۲:۴۰)

حکم صرف اللہ کا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ریاست کے تمام امور میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسی طرح، قرآن حکیم عدل، مساوات، اور شریعت کی بنیاد پر نظامِ حکومت کے قیام کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ الماوردی نے خلافت کے اصولوں کو واضح کیا اور اسلامی حکومت کی بنیاد شرعی قوانین پر رکھی۔ ان کے مطابق خلافت کا مقصد دین کا تحفظ اور دنیا کے معاملات کی درستگی ہے (الماوردی، ص ۱۴–۲۵)۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں سیاست کو تمدن کا لازمی جزو قرار دیا اور اسلامی حکومت کو عدل و انصاف پر مبنی نظام کے طور پر بیان کیا۔ ان کے نزدیک حکومت کا استحکام دین اور سیاسی اقتدار کے امتزاج سے ممکن ہے (ابن خلدون، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸–۳۵)۔ علامہ محمد اقبال نے اسلامی ریاست کو روحانی جمہوریت کا تصور دیا، جس میں عوامی رائے اور اسلامی اصولوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ وہ اسلام کو ایک متحرک نظامِ حیات سمجھتے تھے جو جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا ہے (اقبال، ۱۹۷۹ء، ص ۸–۱۲)۔ مولانا مودودی نے اسلامی حکومت کو تھیاکریسی (مذہبی پیشوائیت) سے الگ رکھتے ہوئے اسے "الٰہی جمہوریت" قرار دیا، جہاں تمام فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتے ہیں اور حکمران عوامی مشاورت کے تحت کام کرتے ہیں (مودودی، ۱۹۴۰ء، ص ۵–۹)۔

چونکہ انسانوں کو پیدا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا ہے، اس لیے اس کی مخلوق پر کسی اور کا حکم نہیں چلے گا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی حکم چلے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله –صلى الله عليه وسلم ،كانت بنو إسرائيل تَسُوسُهُمُ، الأنبياء، كلما هلك نبي خَلَفَهُ نبي، وإنه لا نبي بعدي، وسيكون بعدي خلفاء فيكثرون، قالوا: يا رسول الله، فما تأمرنا؟ قال:أوفوا ببيعة الأول فالأول، ثم أعطوهم حقهم، واسألوا الله الذي لكم، فإنَّ الله سائلهم عما اسْتَرْعَاهُم (البخاری، ۱۴۱۹ھ، کتاب الانبیاء، حدیث: ۳۲۸۶)

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل کے معاملات کی تدبیر و انتظام پیغمبر کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین دوسرا پیغمبر بن جاتا۔ مگر میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہونگے۔" صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس

سے پہلے بیعت کرو، اس کی بیعت پوری کرو، پھر اس کے بعد والے سے بیعت کرو۔ پھر انہیں ان کا حق ادا کرو۔ اور جو تمہارے اپنے حقوق ہیں، ان کا سوال اللہ سے کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کا والی بنایا ہے، ان کی بابت وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔

بنیادی غلط فہمی کا ازالہ

منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) بیسویں صدی کے مشہور برطانوی مستشرق تھے جو بنیادی طور پر سکاچ مشن کے ایک متعصب مسیحی تاریخ دان تھے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ پر اہل مغرب کے لئے اسلام کے خلاف نفرت انگیز کتابیں لکھیں۔ بدقسمتی سے مشرق کے جدید اسلامی ذہن نے ان کے تحتِ تحریر حوالوں سے متاثر ہو کر انہیں متبرک صحیفے کا درجہ دے دیا۔ یہ شہرت یافتہ کتابیں Mohammad at Mecca اور Mohammad at Madina ہیں، پھر ان دونوں کتب کو ایک مجموعے Mohammad Prophet and Statesman کے نام سے شائع کیا گیا۔ موصوف نے یہ فتنہ پھیلایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذباللہ مکہ مکرمہ میں تو ایک داعی، ایک روحانی پیشوا اور ایک پیغامبر تھے، لیکن جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں نعوذباللہ وہ ایک حکمران تھے، ایک آمر تھے۔ مؤرخ موصوف نے یہ فتنہ اس لیے پھیلایا کہ ان کی تعلیم وتربیت کے خمیر میں اسلام کے خلاف عناد کے ساتھ مذہب اور سیاست کی دوئی کا عنصر راسخ تھا۔ ان کے سامنے عیسائیت کی تاریخ تھی جہاں خدا کا اقتدار واختیار الگ اور قیصر کا اقتدار واختیار الگ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی حدود میں مداخلت نہیں کرسکتے۔ اسی تناظر میں واٹ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو دیکھا۔

اسی طرح برطانیہ کے آرنلڈ جے ٹائن بی (Arnold Toynbee) جو کہ فلاسفر اور معروف عیسائی مؤرخ ہیں انہوں نے ریاست مدینہ کے قیام کی تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ میں حکومت قائم کرنے کی دعوت قبول کی تو انھوں نے اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ وہ اللہ کی راہ میں پوری دلجمعی کے ساتھ گامزن ہیں (حالانکہ) وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے تھے۔ اس طرح ٹائن بی کم فہمی اور بدترین تعصب کا شکار ہو کر، رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن حکیم کے پیغام کو انصاف کے اصولوں کو بالائے تاک رکھتے ہوئے ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے (Watt, 1961, p. 112)۔

مغربی محققین میں چند نام ایسے بھی ہیں جو تحقیق قدر ومنزلت اور اس کے آداب پر ذاتی عناد اور انا کو فوقیت نہیں دیتے۔ چنانچہ اس ڈگر میں استثناء مائیکل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart) کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے انسانی تاریخ کے سو عظیم رہنماؤں اور اس پر اثر انداز ہونے والی شخصیات کے حالات قلمبند کئے تو (THE 100;A ranking of the most influential Persons in History) جیسی شاہکار کتاب لکھی۔ اپنی اس تصنیف میں انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست رکھا۔ انہوں نے اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ آپ ﷺ وہ واحد انسان ہیں جو مذہب اور سیاست دونوں سطح پر یکساں طور پر کامیاب قائد اور مؤثر شخصیت ہیں (Hart, 1978, p. 33)۔

ریاست اور مذہب

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت دی تو پہلے دن سے یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ سجدہ بھی خدا ہی کو کیا جائے گا اور حکم بھی خدا ہی کا مانا جائے گا، اور اقتدار بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا تسلیم کیا جائے گا۔ جواب میں کفار نے آپ کی شدید مخالفت کی۔ پتھر برسائے، گالیاں دیں، جان لیوا حملے کیے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت جاری رکھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت ان کفار نے حضرت ابو طالب سے کی جو آپ کے چچا جان تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی دعوت سے باز آجائیں ورنہ یہ آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو ایک جواب دیا۔

كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُونِيهَا تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ (ابن ہشام، ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۲۷)

میں تم سے ایک کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں۔ اگر اس کو کہہ دوگے تو تم عرب کے اقتدار کے مالک ہو جاؤ گے اور تمھاری باج گزاری عجم کے لوگ بھی کریں گے۔

یعنی جو کلمہ میں تم سے کہلوانا چاہتا ہوں اس کلمے میں یہ قوت ہے کہ اس کے ذریعے اقتدار عرب کا ہو یا عجم کا ہو وہ تمھارے قبضے میں آجائے گا۔ کفار کی نمائندگی ابو جہل کر رہا تھا۔ ابو جہل نے کہا کہ اے بھتیجے! ایسا وہ کون سا کلمہ ہے جو تم ہم سے کہلوانا چاہتے ہو؟ ایسا ایک نہیں ہم دس کلمہ کہنے کے لیے تیار ہیں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو لا الٰہ الا اللہ اور اس کے علاوہ تمام بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ کفار یہ سنتے ہی مشتعل ہو گئے۔ ابو جہل نے کہا:

أَتُرِيدُ يَا مُحَمَّدُ أَنْ تَجْعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ أَمْرَكَ لَعَجَبٌ (الحلبی، ۱۹۹۱ء، ج ۲، ص ۴۵)

اے محمدؐ! کیسی بات کرتے ہو، ہم لوگ متفرق بتوں کو پوجنے والے ہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ ہم سارے دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو مان لیں؟ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

کفار مکہ کے سامنے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کی دعوت دی وہ یہ تھی کہ اگر تم ایک خدا کو مان لوگے، تو صرف آخرت میں جنت ہی نہیں ملے گی بلکہ دنیا کا اقتدار بھی تمھارے ہاتھ میں ہو گا۔ دنیا کا اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو ظالم تھے، اور کمزوروں کا استحصال کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس دین کے ساتھ بھیجا اس میں نہ صرف آخرت کی کامیابی اور سعادت شامل تھی بلکہ انسانوں کی دنیاوی راحت اور سعادت بھی شامل تھی۔ مگر کفار نے اپنا عناد جاری رکھا۔ کفار کی مخالفت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر قائم رہے یہاں تک کہ آپؐ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔

ہجرت مدینہ اور قیام ریاست مدینہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو کفار مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کے لیے سو اونٹوں کا انعام مقرر ہے۔ بہت سے لوگ آپؐ کے تعاقب میں دوڑے۔ دوڑنے والوں میں ایک شخص تھا جس کا نام سراقہ بن مالک تھا اور وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ اس وقت آپ غار ثور میں تھے۔ پتھریلی زمین میں اس کا گھوڑا دھنس گیا۔ اس نے محمدؐ سے دعا کی درخواست کی، آپؐ کی دعا سے اسے مصیبت سے نجات ملی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

كَيْفَ بِكَ يَاسُرَاقَةُ إِذَا تَسَوَّرْتَ بِسِوَارَىْ كِسْرٰى (الحلبی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۵)

سراقہ وہ دن کیسا ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں ہوں گے؟) اس کو یقین نہیں آیا۔ انھوں نے کہا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز کا کنگن میرے ہاتھوں میں ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں ایران فتح ہوا۔ مالِ غنیمت خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مالِ غنیمت میں کسریٰ کا کنگن بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور کسریٰ کا کنگن ان کے ہاتھ میں پہنایا اور ان سے فرمایا کہو۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ سَلَبَهُمَا مِنْ كِسْرٰى بْنِ هُرْمُزَ الَّذِىْ كَانَ يَقُوْلُ اَنَا رَبُّ النَّاسِ (ابن ہشام، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۳۴۲)

تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھین لیے جو یہ کہتا تھا کہ میں لوگوں کا پروردگار ہوں۔

چنانچہ نبی آخر الزماں ﷺ کی وہ پیش گوئی صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین نے اپنی نظروں سے پوری ہوتے دیکھی جس کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا۔

عَصَيْبَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَفْتَتِحُوْنَ اَلْبَيْتَ الْاَبْيَضَ بَيْتَ كِسْرٰى (مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: ۳۴۸۶)

مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے دارالحکومت کو فتح کرلے گی۔

کسریٰ کی حکومت مسلمانوں کی حکومت ہو گی اور رستم کی جگہ ایک مسلم حکمراں وہاں حکومت کرے گا۔ جس طرح لوگوں کو سورج کے نکلنے کا یقین ہوتا ہے، اسی طرح صحابہ کرامؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پر یقین تھا۔ رسول کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ وہ کلمہ طیبہ جس کے لیے ہمیں مکہ مکرمہ سے نکالا جا رہا ہے، ہمارے اصحاب کو گھروں سے نکالا جا رہا ہے اور ہمیں ہماری سرزمین سے بے دخل کیا جا رہا ہے، ایک وقت آئے گا کہ صرف مکہ ہی فتح نہیں ہو گا بلکہ دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت ایران یا عجم یا کسریٰ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گی۔ ہجرت پر روانگی کے وقت آپؐ نے دعا فرمائی:

وَقُل رَّبِّ أَدۡخِلۡنِي مُدۡخَلَ صِدۡقٖ وَأَخۡرِجۡنِي مُخۡرَجَ صِدۡقٖ وَٱجۡعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلۡطَٰنٗا نَّصِيرٗا (بنی اسرائیل، ۱۷:۸۰)

اور کہو کہ اے ربِ ذوالجلال! اگر تو داخل کرے تو سچائی کے ساتھ اور اگر مکہ سے نکال رہا ہے تو سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے اقتدار کو میرا مددگار بنادے

رسول کریم صلی اللہ ﷺ نے اپنی دعوت اور ہجرت سے واضح کر دیا کہ اقتدار اللہ کا ہے اور اس کے صالح بندے اس اقتدار کے حق دار ہیں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي ٱلزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ ٱلذِّكْرِ أَنَّ ٱلْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ ٱلصَّٰلِحُونَ(الأنبیاء، ۲۱:۱۰۵)

(اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے

مکہ میں مومنوں کو ایک طرف بہت مارا گیا اور دوسری طرف مداہنت کی کوششیں بھی کی گئیں۔ کفار چاہتے تھے کہ کچھ آپ ﷺ جھک جائیں اور کچھ ہم جھک جائیں، لیکن آپؐ نے شرک کی آمیزش کو قبول نہیں کیا۔

ریاست کی سیاسی حکمت عملی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کے چار نمایاں پہلو ہوتے تھے: اولاً یہ کہ مشرکوں کی مخالفت کے اس طوفان میں عفو و درگزر کیجیے، وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ جتنی پریشانیاں آتی ہیں، جتنے طنز کے تیر چلتے ہیں ان کو نظر انداز کیجیے، ان کی دشنام طرازیوں کو نظر انداز کیجیے۔ کفار جو اذیتیں آپ ﷺ کو دیتے ہیں ان کو نظر انداز نہ کر سکیں تو پھر اس دعوت کے میدان میں قدم رکھنا اور اپنے آپ کو مومن کہنا سود مند نہیں ہوگا۔ ثانیاً یہ کہ مشرکوں کے ظلم پر صبر کیجیے۔ پتھر کے جواب میں پتھر نہیں برسانا بلکہ اولوالعزم رسولوںؑ کی طرح صبر کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی صبر کیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی صبر کی تلقین فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ کو ایذا دی جا رہی تھی۔ آپؐ وہاں سے گزرے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے، آپؐ نے ان مظلوموں کو دیکھا اور فرمایا: آلِ یاسر صبر کرو، جنت کا وعدہ ہے۔ کفار مکہ کی تلوار خونِ مسلم میں لت پت تھی۔ آپؐ نے تلوار کا مقابلہ صبر سے کیا۔ ثالثاً آپ ﷺ کی سیاسی حکمت کا پہلو یہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرو، اگر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی ہے تو اللہ کی دوسری زمین کشادہ موجود ہے۔

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ يَجِدْ فِي ٱلْأَرْضِ مُرَٰغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (النساء، ۴:۱۰۰)

اور جو شخص خدا کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے وہ زمین میں بہت سی جگہ اور کشائش پائے گا اور جو شخص خدا اور رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے پھر اس کو موت آ پکڑے تو اس کا ثواب خدا کے ذمے ہو چکا اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

رابعاً اللہ رب العزت کی طرف سے اہل اسلام کو اپنی اور اپنے نظریے کی مدافعت میں طاقت کے استعمال کی اجازت ملی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور نجاشی کے ملک میں جا کر پناہ لی۔ پھر دوسری مرتبہ مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی اور وہاں جا کر زندگی بسر کی۔ اس

کے بعد بھی جب کفار نے مسلمانوں کو نہیں بخشا اور مدینہ میں چھاپہ مار کارروائیاں کیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اب مسلمانوں کو ہاتھ اُٹھانے کا حق مل گیا ہے اور ان کو اپنا دفاع کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکمت عملی کا چوتھا پہلو تھا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُواْۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيرٌ (الحج،۲۲:۳۹)

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور خدا (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے انقلاب کے یہ چار پہلو تھے، جن کے ذریعے آپ ؐ نے دنیا کے اندر ایک ایسا نظام قائم کیا، جس میں اللہ کی حکومت، اللہ کی عبادت اور اس کی حاکمیت کو نافذ کیا گیا۔

ریاست میں قانون ساز

ریاست کا نظم و انصرام چلانے اور سنبھالنے کے لئے آئین و قانون کی وضع و تنفیذ ایک ضروری عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جو نظریہ حکومت دیا، اس میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے۔ انسان اس کا اتباع کرنے کا مجاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ جَعَلۡنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡرِ فَٱتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ (الجاثیۃ،۴۵:۱۸)

پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

قرآن کی شکل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سامنے دستور حیات لے کر آئے اور اس کا اتباع کرنے کی دعوت دی۔ اس کے علاوہ دنیا میں جتنے قوانین ہیں وہ خواہشات، تجربات اور امیدوں پر مبنی ہیں۔ یہ غلطیوں کا مجموعہ بھی ہوسکتے ہیں اور اچھائیاں بھی جزوی طور پر شامل ہو سکتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم ایسا نظام قانون ہے جو اللہ کی طرف سے منزل ہے اور جس کا کوئی جز غلط نہیں ہو سکتا اور انسانوں کے لیے مضر نہیں ہو سکتا۔ قانون سازی کا حق اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کو نہیں دیا بلکہ اپنے ہاتھ میں رکھا۔ یہ اس سیاست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بنیاد تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ پیغام بھی آپ ؐ نے لوگوں کو پہنچایا۔

وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥ (الطلاق،۶۵:۱)

اور یہ خدا کی حدیں ہیں۔ جو خدا کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

اللہ کی شریعت اور اللہ کے قانون کو نظر انداز کر کے آج کا انسان ایک ظالمانہ نظام قانون کے اندر جکڑ گیا ہے۔ جو قانون اللہ کے قانون سے ٹکراتا ہے وہ انسان کے لیے مفید نہیں ہو سکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَاطَاعَةَ (البخاری، کتاب الاحکام، ص ۱۴۵)

ہر مسلمان پر اپنے حاکم کی بات سننا اور ماننا لازم ہے بشرطیکہ وہ گناہ کا حکم نہ دے۔ اگر وہ گناہ کا حکم دیتا ہے تو سننا اور ماننا واجب نہیں۔

یعنی اللہ کی نافرمانی میں کسی انسان کی فرماں برداری نہیں کی جاسکتی۔ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا۔یہی اصل قانون ساز اور شارع ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ (الحشر،۷:۵۹)

سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

حاکمیت اعلیٰ اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ رب العالمین کا ہے تو یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان کو حکومت کرنے کا کوئی اختیار نہیں؟

ریاست کے نظم اور فیصلوں میں شورائیت

قرآنِ حکیم نے ریاستی امور میں فیصلے کرنے کے لئے مشاورت کا راستہ اپنانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اسلامی نظام حکومت میں 'شورائیت' کو حکومت کرنے کا اصول قرار دیا گیا ہے۔ آمریت کی جگہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شورائیت کو پسند فرمایا۔ مسلمانوں کا نظام حکومت آمریت پر مبنی نہیں ہوگا، شورائیت پر مبنی ہوگا۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَٱلَّذِينَ ٱسۡتَجَابُواْ لِرَبِّهِمۡ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُمۡ وَمِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ يُنفِقُونَ (الشوریٰ،۳۸:۴۲)

اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔ اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے معاملات شوریٰ سے طے ہوں گے اور اس کے لئے خود آقا علیہ السلام کو پابند کیا۔ یعنی حکومت سازی کے اندر اور کاروبار حکومت کو چلانے کے لیے تمام اہل الرائے کی شرکت ہوگی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ایک شخص اپنی مرضی کے مطابق حکم چلائے، باقی سب لوگ سر جھکا کر اس کی اطاعت کرنے لگیں۔

دوسرا اصول آزادی پر مبنی ہے۔ اس نظام میں ایسا نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ غلام ہوں گے اور کچھ لوگ آزاد ہوں گے بلکہ تمام انسان مساوی ہیں، کسی کو کسی کے اوپر فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔ اللہ نے تمام انسانوں سے فرمایا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ (الحجرات،۱۳:۴۹)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

ریاست میں مساوات اور آزادی کا چلن ہو گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کچھ لوگ پیدائشی طور پر افضل ہیں اور کچھ لوگ پیدائشی طور پر ارذل۔ حقیقی عزت والے اللہ کی نظر میں وہ لوگ ہیں، جن کے اندر خدا ترسی اور خشیت اور انابت ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ گویا فضیلت کا معیار تقویٰ ہے، ذات اور برادری نہیں۔ انسانوں کے مابین مساوات کا آخری مرتبہ اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ (کنز العمال، ج ۱۲، ص ۶۶۱)

تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو کسی گورے پر، نہ کسی گورے کو کالے پر سوائے تقویٰ کے۔

جن لوگوں میں خدا ترسی زیادہ ہے، وہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ بلند ہیں اور جن میں خدا ترسی نہیں ہے، جو خدا سے نہیں ڈرے ان سے انسانوں کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر سارے انسان برابر ہیں تو سب کو آزادی ملنی چاہیے۔ اظہار رائے کی آزادی، عمل کی آزادی، فکر کی آزادی ملنی چاہیے۔ ایک موقع تھا کہ مصر کے گورنر کی شکایت ایک بدو نے حضرت عمرؓ کے سامنے کی کہ انھوں نے ناحق ان کو مارا ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور بہت تاریخی جملہ فرمایا۔

مُذکمْ تعبّدْتمْ النّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا (الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۵۶)

کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنانا شروع کیا ہے۔ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا تھا۔

یہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو مجمع عام میں ایک شخص ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ یہ بتادیں کہ سب کو مال غنیمت میں ایک ایک چادر ملی تھی۔ آپ کو دو چادریں کیوں ملیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بیٹے عبد اللہ کی چادر حاصل کی ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے گواہی دی۔ یہ نظام قانون، یہ مساوات، یہ آزادی اور حریت دنیا کو نبی اکرم ﷺ نے کتاب و سنت اور سیرت مطہرہ کی شکل میں عطا کی۔

ریاست کا نظام عدل و انصاف

قرآن مجید کے جامع احکام کی عملی تعبیر کی صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کا تیسرا اصول یہ تھا کہ کسی انسان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ کی جائے، خواہ وہ دوست ہو یا دشمن۔ انصاف وہ قدر ہے کہ جس کے اوپر آسمان و زمین قائم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام سیاست کا یہ آفاقی اصول دیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدۃ، ۵:۸)

اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔

اسلام نے ریاستی امور کی بجا آوری اور منصفانہ نظام قائم کرنے کا داعیہ دے کر اسے پروان چڑھانے پر زور دیا ہے۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام بلا تفریقِ رنگ و نسل اور قومیت انسانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک کرنے کے لیے آیا ہے۔ جو نظام حکومت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا، اس کی اساس مساوات، آزادی اور انصاف پر قائم ہے۔ جہاں بھی اسلامی حکومت ہو گی اس کا بنیادی فرض ہو گا کہ وہ انسانوں کو انصاف عطا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں انصاف کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔

ریاست میں انسانی حقوق کی بجا آوری

اللہ کے رسول ﷺ نے جو نظام سیاست دنیا میں متعارف کیا اس کا چوتھا اصول یہ تھا کہ انسانی حقوق کی پاسبانی کی جائے۔ انسانی حقوق کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ جس کا جو حق ہے وہ حق اس کو عطا کیا جائے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (البخاری، کتاب العلم، حدیث: ٦٧)

تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزت ایک دوسرے کے اوپر حرام ہے اور ان کی حرمت کیسی ہے؟ جیسے آج کا دن، آج کا شہر اور آج کا مہینہ۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم دوسروں تک پہنچا دیں۔ مکہ مکرمہ، ذی الحجہ کا مہینہ اور یوم النحر کا جو تقدس ہے، اسی طرح انسانی جانوں اور مالوں کا تقدس ہے اور انسانی عزتوں کو تحفظ حاصل ہے۔ دنیا میں ناحق نہ کسی کا خون بہایا جاسکتا ہے اور نہ ناحق کسی کا مال کھایا جاسکتا ہے اور نہ ناحق کسی کی عزت لی جاسکتی ہے۔ یہ آفاقی پیغام ہے۔

قرآن حکیم میں مذکور ریاستیں اور ان کا نظام حکومت

ریاست اور مذہب کے تعلق کے حوالے سے قرآن حکیم کی روشنی میں چلنے والی اس بحث کو دوسرے پہلو سے آگے بڑھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان ریاستوں کی ہیئت اور ڈھانچے کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جن کا تزکرہ قرآن حکیم نے مفصل یا اجمالاً کیا ہے۔ ویسے تو قرآن حکیم میں مذکور تمام ریاستیں کس مذہبی وابستگی کی حامل تھیں لیکن اختصار کے پیش نظر صرف انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ریاست اور حکومتی ڈھانچے کے لئے چند صفحات مختص کرتے ہیں۔

علمائے سیاسیات نے ریاست اور حکومت کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ بعض نے دینی اور دنیوی ناموں سے جبکہ بعض نے فطری اور تاریخی کے عنوان سے تقسیم کیا ہے۔ آسان تعبیر میں فطری حکومتوں سے مراد انبیاء اور ان کے متبعین کی قائم کردہ وہ حکومتیں ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں بطور مدح و توصیف ہوا ہے، یا وہ حکومتیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں اپنا نظم اجتماعی چلانے کی کوشش کرتی ہیں اور تاریخی حکومتوں سے مراد زمانہ تاریخ کی وہ حکومتیں ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف زمانوں میں دنیوی نظریات کے تحت قائم ہوئیں۔

یوسف علیہ السلام کی حکومت

قرآن کریم میں سورۃ یوسف کی درج ذیل آیات میں یوسف علیہ السلام کی حکومت کا ذکر ہے:

وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ إِنَّكَ ٱلۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِينٌ أَمِينٞ قَالَ ٱجۡعَلۡنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ ٱلۡأَرۡضِۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٞ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي ٱلۡأَرۡضِ يَتَبَوَّأُ مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُۚ نُصِيبُ بِرَحۡمَتِنَا مَن نَّشَآءُۖ وَلَا نُضِيعُ أَجۡرَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ وَلَأَجۡرُ ٱلۡأٓخِرَةِ خَيۡرٞ لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ (یوسف، ۱۲:۵۴-۵۷)

بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اس کو اپنے لیے مخصوص کرلوں پھر جب اس سے گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ بے شک تم آج سے ہمارے ہاں معزز اور معتمد ہو۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر (نگران) مقرر کر دو۔ میں حفاظت کرنے والا جاننے والا اور خوب جاننے والا ہوں۔ اور اس طرح ہم نے یوسف کو (مصر کی سرزمین میں) اقتدار دیا تھا وہ اس میں جہاں چاہتے تھے جگہ (ٹھکانہ) بنا لیتے تھے۔ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت بھیجتے ہیں۔ اور ہم نیک لوگوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتے۔ اور آخرت کا ثواب بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔

درج بالا آیات میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے اس اقتدار کا ذکر ہے جو آپ نے مصر میں سنبھالا تھا۔ جب آپ نے عزیز مصر کی بیوی کی خواہش گناہ کو پورا کرنے سے انکار کیا تو اس نے آپ پر جھوٹا الزام لگا کر عزیز مصر کے ذریعے جیل بھیج دیا۔ وہاں آپ کی دعوت اور دیانت و امانت سے لوگ متاثر ہوئے۔ پھر خشک سالی سے متعلق بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور حکیمانہ مشوروں سے بادشاہ بھی آپ کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو بلا کر عزت بخشی اور آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ آپ نے موقع کی مناسبت سے ملک کے خزانوں کی ذمہ داری لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو "خزائن الارض" کا وزیر (وزیر خزانہ) بنا دیا۔ آپ کی حکیمانہ تدبیروں سے ملک سے قحط سالی کا دور ختم ہوا تو بادشاہ جو پہلے ہی آپ کی صلاحیتوں کا معترف ہونے کے ساتھ ساتھ اپ کا معتقد بھی بن چکا تھا اس نے وزارت خزانہ کے بعد وزارت عظمیٰ یعنی مصر کی بادشاہت بھی آپ کے حوالے کر دی۔ اب یوسف علیہ السلام کی حیثیت محض ایک ماتحت افسر و ملازم یا کابینہ کے وزیر کی نہیں رہی بلکہ آپ تمام تر اختیارات کے ساتھ ملک مصر کے بادشاہ (حکمران) بن گئے۔ چنانچہ علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ولما فوض الملک امر مصر الی یوسف تلطف بالناس وجعل یدعوم الی الاسلام حتی امنوا بہ وقام فیھم العدل فاحبہ الرجال والنساء (القرطبی، ۲۰۰۴ء، ج۹، ص۲۱۸)

امام ابن جریر طبری نے اس بات کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن زید: لفرعون خزائن کثیرۃ غیر الطعام۔قال: فاسلم سلطانہ کلہ الیہ وجعل القضاء الیہ امرہ، وقضاہ نافذ (الطبری، ج۱۳، ص۵-۶)

علامہ ابن کثیر دمشقی نے مزید وضاحت سے لکھا ہے:

وسلطه على جميع الارض---والبسه خاتمه--- وكان يوسف اذاذاک الحاكم فى امور الديار المصرية دنيا ودينا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ)

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو مصر کی پوری سرزمین کا بادشاہ بنادیا اور اپنی انگوٹھی انہیں پہنادی تھی (یعنی سلطنت کی مہر بھی دے دی تھی) اوراس وقت یوسف علیہ السلام دیار مصر کے معاملات میں دنیا کے اعتبار سے بھی حکمران تھے اور دین کے اعتبار سے بھی (قیادت کے مرتبے پر فائز تھے)۔

علامہ ابن کثیر کے درج بالا اقتباس سے یوسف علیہ السلام کی حکومت کے دو اہم امور معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ امر معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام محض دینی قیادت (نبوت) ہی سے سرفراز نہیں ہوئے بلکہ دنیوی سیادت و قیادت (اقتدار) کا منصب بھی انہیں حاصل تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سیاست و حکومت کا قیام بھی دین کے اہم تقاضوں میں سے ہے اور مثالی حکومت وہی ہوتی ہے جس میں حکمران کو دینی سیادت و قیادت کے ساتھ دنیوی قیادت و حکمرانی کا شرف بھی حاصل ہو۔ دوسرا امر معلوم ہوا کہ سیاست و حکومت کے معاملات کو دین سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ ایک مثالی حکمران وہی ہوتا ہے جو سیاست و حکومت کے معاملات کو دین کی روشنی میں چلائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور حکومت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب بعض مؤرخین نے یوں بیان کیا ہے کہ موسیٰ بن عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔ آپ کا زمانہ سولہویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جو فرعون مصر حکمران تھا اس کے متعلق قرآن کریم نے جو ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کا منکر تھا بلکہ خود کو "رب الاعلیٰ" بھی کہتا اور کہلواتا تھا۔ قرآن میں ایک اور جگہ اس کا قول نقل کیا ہے کہ "ماعلمت لكم من اله غيرى" (عبدالرحمان، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۴۶۲)

شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہری تھا اور تفسیر و تاریخ کی کتب میں جو مصر قدیم کے تاریخی حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اہل مصر دیوتاؤں کے پرستار تھے اور ان کا سب سے بڑا دیوتا "آمن راع" (سورج کا دیوتا) تھا۔ یہ لوگ خدائے واحد کے قائل نہ تھے بلکہ کائنات کی تخلیق اور ان کے تمام تر معاملات اور حوادث کا تعلق ستاروں اور دیوی دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہندوستان کی جین مت قوم کا عقیدہ ہے (سیوہاروی، ج ۱، ص ۴۱۷-۴۱۸)۔

مولانا شاہ اکبر خان نجیب آبادی "نظام سلطنت" میں لکھتے ہیں کہ چند باتیں تاریخ مصر سے اخذ کر کے ذیل میں درج کی جاتی ہیں جو قریباً اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جب کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے فلسطین میں شریعت ملنے والی تھی یا مل چکی تھی۔ مصر میں شخصی سلطنت قائم تھی اور شاہی خاندان موجود تھا۔ سلطنت ایک وراثتی چیز اور مخصوص خاندان کا حق سمجھی جاتی تھی۔ مذہبی قوانین اور قوانین سلطنت جدا جدا نہ تھے۔ سلطنت ہی حفاظت مذہب کی ذمہ دار تھی۔ گناہوں اور اخلاقی جرائم پر مقررہ سزائیں دی جاتی تھیں۔ حاکم کو سزا تجویز کرنے یا کم وزیادہ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ہاں سزا دینے اور قانون کی منشا کو پورا کرنے کا اختیار واقتدار ضرور حاصل ہوتا تھا۔ شہروں میں مجسٹریٹ یا قاضی مقرر تھے جو

مقدمات کے فیصلے سناتے۔ مصر میں پجاریوں کی عزت اور ان کے حقوق عوام سے بالاتر اور عام انسانی سطح سے اس طرح فائق تھے جیسے ہندوستان کے ہندوؤں میں برہمنوں کو فوقیت و فضیلت حاصل ہے۔ پجاریوں کو برہمنوں ہی کی طرح بے محنت اور بافراط روزی میسر آجاتی تھی اور وہ ماں کے پیٹ ہی سے معزز پیدا ہوتے تھے (نجیب آبادی، ص ۹۰-۹۲)۔

بنی اسرائیل کے قتل اولاد اور لڑکیوں کو باندیاں بنانے کے فیصلے کے باوجود فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کا خوف طاری تھا۔ بالآخر اس نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر اپنے باپ دادا کی سرزمین فلسطین کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکلے تو فرعون نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حق کا فیصلہ کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا میں راستے بنا کر پار کر دیا اور فرعون کو لشکر سمیت اسی میں غرق کر کے بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لیے اس سے نجات دے دی۔

موسیٰ علیہ السلام کو جو تختیاں دی گئی تھیں ان میں ایک پیشین گوئی یہ تھی:

سَأُورِيكُمْ دَارَ ٱلْفَٰسِقِينَ (الأعراف، ۷:۱۴۵)

کہ عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا ملک دکھاؤں گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے ملک شام کی مقدس سرزمین فلسطین کا علاوہ مراد تھا جہاں عمالقہ قوم حکمران تھی۔ ظلم و عدوان میں یہ قوم بہت مشہور تھی۔ بنی اسرائیل کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ایک زمانہ بعد تمہاری اولاد کو پھر سے اس ارض مقدس کا مالک بنا دیا جائے گا (عبدالرحمان، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۵۲۵)۔

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خدا کا حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ارض مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فتح تمہاری ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر ملک شام کا رخ کیا۔ اریحاک مقام پر پہنچ کر بارہ آدمیوں کو ملک شام اور وہاں کے عمالقہ بادشاہوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ عمالقہ نے انہیں گرفتار کیا اور انہیں اپنی شان و شوکت سے مرعوب کر کے واپس بھیج دیا۔ انہوں نے واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے قوم عمالقہ کی شان و شوکت اور قوت سے آگاہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قوم کو اس بات سے آگاہ کرنے سے منع کیا مگر سوائے دو آدمیوں کے دس لوگوں نے قوم کو بتادیا۔ جس کے نتیجے میں قوم نے ڈر کر ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے نتیجے میں بطور عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ چالیس سال تک یہ اس وادی سینا (تیہ) میں بھٹکتے رہیں گے۔ اسی وادی تیہ میں موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔

حضرت یوشع بن نون کی حکومت

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد نبوت ملی اور ان دونوں جلیل القدر انبیاء کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی سربراہی انہی کے حصہ میں آئی۔ قرآن کریم میں ان کے نام کی وضاحت کے بغیر تین جگہ ان کا ذکر آیا ہے۔ سورہ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضر علیہما السلام کے واقعہ میں قرآن نے ان کا ذکر دو مرتبہ "فتی" کے لفظ سے فرمایا ہے۔ اس وقت چونکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے اور نوجوان تھے اس لیے "فتی" کے لفظ سے ان کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح سورہ مائدہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ملک شام میں عمالقہ سے انکار کا ذکر ہے وہاں جن دو لوگوں نے انہیں جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے جہاد کے غلبہ کی خوشخبری دی تھی ان میں سے ایک حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور دوسرے کالب بن یوفنا یا کالب بن یوفنا تھے۔ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں ان دونوں کا تذکرہ کیا ہے۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمَا ٱدۡخُلُواْ عَلَيۡهِمُ ٱلۡبَابَ فَإِذَا دَخَلۡتُمُوهُ فَإِنَّكُمۡ غَٰلِبُونَۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ (المائدۃ، ۵:۲۳)

جو لوگ (خدا کا) خوف رکھتے تھے ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا۔ وہ بول اٹھے کہ: تم ان پر چڑھائی کر کے (شہر کے) دروازے میں گھس جاؤ۔ جب گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے اور اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو۔

اس آیت کے تحت علامہ ابن کثیر الدمشقی فرماتے ہیں:

وقرا بعضهم:(قَالَ رَجُلَانِ مِنَ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ)ای:ممن لهم مهابة وموضع من الناس۔ ويقال انهما يوشع بن نون وكالب بن يوفنا، قاله ابن عباس، ومجاهد، وعكرمه، وعطية، والسدى، والربيع بن انس وغير واحد من السلف والخلف، رحمهم الله۔ (ابن کثیر، ۱۴۲۰ھ، ج۳، ص۷۷)

علامہ ابن کثیر "البدایۃ النہایۃ" میں بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سورۃ مائدہ کی آیت 23 میں "رجلان" سے مراد یہی یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا ہیں۔

وقدقدمنا انه لم يخرج احد من التيه ممن كان مع موسىٰ سوىٰ يوشع بن نون وكالب بن يوفنا وهو زوج مريم اخت موسىٰ وہارون، وهما الرجلان المذكور ان فيما تقدم اللذان اشارا على بنى اسرائيل بالدخول عليهم۔ (ابن کثیر، ۱۴۰۸ھ، ج۱، ص۳۷۱)

مؤرخین کا اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ ملک شام میں عمالقہ سے جہاد کے ذریعے بیت المقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر کمان فتح ہوا تھا یا پھر حضرت یوشع علیہ السلام کی سربراہی میں؟

مشہور سیرت نگار ابن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ بیت المقدس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں بنی اسرائیل نے فتح کیا تھا اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اسی سفر کے دوران بلعم بن باعور کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جسے اکثر مؤرخین اور مفسرین نے نقل کیا ہے۔

جمہور مؤرخین اور مفسرین کی رائے

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ کئی صحابہ کرام اور جمہور مفسرین و مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ وادی سینا (تیہ) میں بنی اسرائیل کے وہ تمام لوگ فوت ہو گئے تھے جنہوں نے عمالقہ کے خلاف جہاد کے لیے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وادی تیہ میں ان تمام بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ حضرت ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔

تیسرا احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کو فتح کرنے سے قبل ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تھا جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال حضرت موسیٰ سے بھی دو سال قبل یا بعض روایات کے مطابق تین سال قبل ہو چکا تھا۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے ابن اثیر کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے چنانچہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدس میں جابر طاقتوں کے استیصال کے لیے بحکم الٰہی حضرت یوشع کو امیر جیش بنایا اور جنگ کے ابتدائی مراحل کو خود انجام دیا لیکن جیش کی روانگی سے قبل ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اب حضرت یوشع علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا اور انہی کے ہاتھوں آخر کار ارض مقدس شرک اور جبار طاقتوں سے پاک ہوئی اور اریحا کی کامیابی تمام ارض مقدس کی فتح و نصرت کا پیش خیمہ بنی (قصص القرآن، ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص ۱۴)۔

حضرت طالوت کی حکومت

فلسطین پر کچھ عرصہ حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب علیہما السلام نے قبضہ کر کے حکومت کی۔ اس کے کافی عرصہ بعد جب حضرت سموئیل علیہ السلام کو نبوت ملی تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ کسی شخص کو ہمارا بادشاہ بنا کر ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ ہم ان کی سربراہی میں عمالقہ سے جہاد کر کے پورے فلسطین کو دشمن سے آزاد کرائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے انہیں حضرت طالوت کی شکل میں ایک نیک بادشاہ اور حکمران عطا فرمایا۔ حضرت سموئیل سے بنی اسرائیل کی اس درخواست کا ذکر قرآن کریم میں بھی ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

إِذۡ قَالُواْ لِنَبِيّٖ لَّهُمُ ٱبۡعَثۡ لَنَا مَلِكٗا نُّقَٰتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ (البقرۃ، ۲:۲۴۶)

بعض علماء کے نزدیک حضرت طالوت سے قبل جو انبیاء دنیا میں تشریف لاتے تھے وہ حکمران بھی ہوتے تھے لیکن حضرت طالوت وہ پہلے مسلمان حکمران ہیں جو نبی نہیں تھے لیکن نیک انسان تھے اور چونکہ حضرت سموئیل اس وقت اللہ کے نبی تھے اس لیے انہی کی سربراہی میں وہ ریاستی اور حکومتی امور چلاتے تھے۔

البتہ بعض علماء کی رائے اس قدرے مختلف ہے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے بائبل کے حوالے سے یہ نقطہ نظر اپنایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تقریباً ساڑھے تین سو سال تک یہ نظام چلتا رہا کہ قبیلوں پر حکومت سردار کیا کرتے تھے اور ان کے معاملات

اور جھگڑوں کے فیصلے قاضی کرتے تھے جبکہ نبی ان تمام امور کی نگرانی کرنے کے ساتھ ساتھ دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ البتہ بعض اوقات کسی قاضی کو منصب نبوت بھی عطا ہو جاتا۔

حاصل کلام

قرآن حکیم اور مسلم سیاسی مفکرین کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب اور ریاست میں ایک گہرا تعلق ہے۔ اسلام میں سیاست اور حکومت کو دین کا حصہ سمجھا گیا ہے اور حکومتی نظام کو عدل، شریعت اور عوامی مشاورت کے اصولوں پر استوار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عصرِ حاضر میں اس قرآنی تصور کو جدید مسلم ریاستوں میں نافذ کرنے کے لیے اجتہاد، فکری وسعت اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ ایک ایسا اسلامی نظام قائم ہو جو عدل، مساوات اور فلاحِ عامہ کے اصولوں پر مبنی ہو۔ قرآن حکیم اور مفسرین کرام کے تفسیری نکات کی روشنی میں تشکیل ریاست اور تنظیم ریاست کے چند اہم پہلو پیش کئے گئے ہیں۔ ان ریاستوں میں نظام حکومت وہی رائج ہوا جو کہ آفاقی رہنمائی پر مبنی تھا۔ چنانچہ ان تمام ادوار میں چاہے انبیاء حکمران ہوں یا غیر نبی، دونوں صورتوں میں حکومتی معاملات چلانے میں احکام الٰہیہ اور مذہبی تعلیمات کی روشنی میں منزل کا تعین کیا گیا۔ کیونکہ جو انبیائے کرام بذات خود حکومتی معاملات چلاتے تھے وہ تو تمام تر احکام الٰہی کی روشنی میں ہی چلاتے تھے اس لیے وہاں تو ریاستی اور حکومتی امور کو احکام الٰہیہ کی قید سے آزاد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن انبیاء کے بعد جب حضرت طالوت جیسے غیر نبی کے سربراہ حکومت بننے کا رواج شروع ہوا تو چونکہ حضرت طالوت حضرت سموئیل علیہ السلام کی قیادت اور زیر نگرانی ہی ریاستی امور چلاتے تھے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں جو پہلا غیر نبی بادشاہ بن کر آیا اس نے بھی حکومتی امور کو مذہب اور احکام الٰہیہ کی روشنی میں ہی چلایا۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی حکومت کی ابتداء کو علماء سیاسیات نے مدینہ کی اسلامی ریاست سے شمار کیا ہے۔ مدینہ منورہ میں آغاز سے وفات تک آپ ﷺ نے کاروبار حکومت کو بہترین طرز پر چلایا۔ جو رہتی دنیا تک کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کو حکومتی معاملات کے حوالے سے جو ہدایات و معلومات وحی کے ذریعے ملیں انہیں تو آپ ﷺ نے لازمی برتنے کے ساتھ ساتھ امت کے لیے بھی ضروری قرار دیا۔ البتہ جن امور سے متعلق آپ کو منجانب اللہ واضح ہدایات نہیں ملیں یہ بالخصوص انتظامی نوعیت کے یا خالص دنیوی معاملات ہوتے ہیں ان کے بارے میں امت کو فیصلہ کرنے میں آزاد چھوڑ دیا۔ صرف بنیادی اصول بتا دیا کہ مشاورت کے بغیر کوئی بھی اجتماعی امر طے نہ کیا جائے۔ چنانچہ خلفائے راشدین نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے جاری کردہ ہدایات، ذاتی اجتہاد اور مشاورت کی روشنی میں کاروبار حکومت چلایا۔

مصادر ومراجع

القرآن الكريم

Al-Qurʾān al-Karīm.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (٢٠٠٢). صحيح البخاري. بيروت: دار ابن كثير.

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. (٢٠٠٢). Ṣaḥīḥ al-Bukhārī. Beirut: Dār Ibn Kathīr.

مسلم بن الحجاج. (٢٠٠٠). صحيح مسلم. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

Muslim ibn al-Ḥajjāj. (٢٠٠٠). Ṣaḥīḥ Muslim. Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī.

القرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر- (٢٠٠٤ء)- الجامع لأحکام القرآن، ج ٩، ص ٢١٨- قاہرہ: دارالکتب المصرىة-

Al-Qurṭubī, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Aḥmad ibn Abī Bakr. (2004). Al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān (Vol. 9, p. 218). Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah.

ابن خلدون، عبدالرحمن- (١٩٩٣ء)- مقدمہ ابن خلدون، ص ٢٨—٣٥- لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ-

Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān. (1993). Muqaddimah Ibn Khaldūn (pp. 28–35). Lahore: Idārah Thaqāfat Islāmiyyah.

ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر- (١٤٠٨ھ)- البداىة والنہاىة، ج ١، ص ٣٧١- بیروت: دار احیاء التراث العربی-

Ibn Kathīr, Abū al-Fidāʾ ʿImād al-Dīn Ismāʿīl ibn ʿUmar. (1408 AH). Al-Bidāyah wa al-Nihāyah (Vol. 1, p. 371). Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī.

الزبیدی، محمد مرتضیٰ- (١٩٩٤ء)- تاج العروس من جواہر القاموس، ج ١٦، ص ١٥٧- بیروت: دارالفکر للطباعة والنشر والتوزیع-

Al-Zabīdī, Muḥammad Murtaḍā. (1994). Tāj al-ʿArūs min Jawāhir al-Qāmūs (Vol. 16, p. 157). Beirut: Dār al-Fikr lil-Ṭibāʿah wa al-Nashr wa al-Tawzīʿ.

الطبراني، سليمان بن أحمد .المعجم الكبير. بيروت: دار إحياء التراث العربي، ٢٠٠٩م.

Al-Ṭabarānī, Sulaymān ibn Aḥmad. Al-Muʿjam al-Kabīr. Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 2009.

الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن محمد- الأحکام السلطانىة، ص ١٤—٢٥- قاہرہ: دارالحدیث-ابن ہشام- (١٩٩٥ء)- سیرت النبی ﷺ، ج ١، ص ٣٤٢؛ ج ٣، ص ٢٧- بیروت: دارالفکر-

Al-Māwardī, Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Muḥammad ibn Muḥammad. (n.d.). Al-Aḥkām al-Sulṭāniyyah (pp. 14–25). Cairo: Dār al-Ḥadīth.

الحلبی، علی بن برہان الدین- (١٩٩١ء)- السیرة الحلبیة، ج ٢، ص ٤٥- بیروت: دارالفکر-

Al-Ḥalabī, ʿAlī ibn Burhān al-Dīn. (1991). Al-Sīrah al-Ḥalabiyyah (Vol. 2, p. 45). Beirut: Dār al-Fikr.

ابن منظور، محمد بن مكرم .لسان العرب. بيروت: دار صادر، ١٤١٤هـ. (الطبعة الثالثة)

Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukarram. Lisān al-ʿArab. Beirut: Dār Ṣādir, 1414 AH (3rd edition).

عبدالرحمان، مولانا۔(۱۹۹۵ء)۔ سیرت انبیائے کرام، ج ۱، ص ۴۶۲، ۵۲۵۔ کراچی: ادارہ اسلامیات۔

ʿAbd al-Raḥmān, Mawlānā. (1995). Sīrat Anbiyāʾ al-Kirām (Vol. 1, pp. 462, 525). Karachi: Idārah Islāmiyyāt.

سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن۔ قصص القرآن، ج ۱، ص ۴۱۷–۴۱۸؛ ص ۵۱۴؛ ج ۲، ص ۳۷۔ لاہور: مکتبہ مدنیہ

Sīohārwī, Ḥifẓ al-Raḥmān. (n.d.). Qiṣaṣ al-Qurʾān (Vol. 1, pp. 417–418; p. 514; Vol. 2, p. 37). Lahore: Maktabah Madaniyyah.

اقبال، محمد۔(۱۹۷۹ء)۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۸–۱۲۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔

Iqbal, Muḥammad. (1979). Tashkīl-i Jadīd Ilāhiyāt-i Islāmiyyah (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) (pp. 8–12). Lahore: Iqbal Academy Pakistan.

مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔(۱۹۴۰ء)۔ اسلام کا سیاسی نظام، ص ۵–۹۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن۔

Mawdūdī, Sayyid Abū al-Aʿlā. (1940). Islām kā Sīyāsī Niẓām (Islamic Political System) (pp. 5–9). Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān.

عثمانی، مفتی محمد تقی۔(۱۹۸۹ء)۔ آسان ترجمہ قرآن، ص ۲۱۳۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔

ʿUthmānī, Muftī Muḥammad Taqī. (1989). Āsān Tarjumah Qurʾān (p. 213). Karachi: Maktabah Maʿārif al-Qurʾān.

عثمانی، مفتی محمد تقی۔(۲۰۰۸ء)۔ اسلام اور سیاسی نظریات، ص ۵۴۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن۔

ʿUthmānī, Muftī Muḥammad Taqī. (2008). Islām aur Sīyāsī Naẓariyāt (Islam and Political Theories) (p. 54). Karachi: Maktabah Maʿārif al-Qurʾān.

نجیب آبادی، شاہ اکبر۔ اسلام کا نظامِ سلطنت (مقدمہ تاریخِ ہند، ج ۲)، ص ۹۰–۹۲

Najīb Ābādī, Shāh Akbar. (n.d.). Islām kā Niẓām-e-Salṭanat (Introduction to Tārīkh-e-Hind, Vol. 2, pp. 90–92).